کچلنے کا نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ تجدید مذہب کا عمل ملتوی ہو جائے گا جس سے چرچ کو تقویت مل سکتی ہے۔ اِس سے قطع نظر کہ کیا ہوتا ہے، روس کی تاریخ سے واضح ہے کہ روسی ایک روحانیت پسند قوم ہیں۔ دوستوفسکی نے لکھا تھا: ''اصل روسیوں کے لیے وجودِ خداوندی اور بقائے دوام کے مسائل --- سب سے پہلے اور سب سے اہم ہیں۔ --- انسانی وجود کے بھید کے لیے صرف جینا نہیں ہے، بلکہ کچھ ہونا چاہیے جس کے لیے جیا جائے۔''

آج جب روس ایک بار پھر اپنی شناخت کی جدوجہد کر رہا ہے، اِس کے شہری، جو گزشتہ عشرے میں نسبتاً زیادہ آزادی کے عادی ہو چکے ہیں، شاید اپنی روحانی زندگی کے لے مزاحمت کریں۔ بورس یلسن کی جانب سے قانون کی توثیق کرنے سے ایک روز پہلے ''نزاوز یمیاگزیٹا'' میں شائع شدہ ایک مضمون میں تبصرہ کیا گیا تھا۔ ''اگر سرکاری حکام --- روایتی مذہبی اعتقادات کی حدود میں ایک ریاستی آئیڈیالوجی کی تخلیق --- جاری رکھتے ہیں تو اُن کا اپنا ۱۹۹۱ء منتظر ہے۔ دُنیا عمومی اور جامع آئیڈیالوجی اور مذاہب ترک کر چکی ہے، اور ماضی کی طرف واپسی ناممکن ہے۔''

کیا سوڈیڑھ سو افراد کی زبان میں ''عہد نامۂ جدید'' کے ترجمے پر رقم خرچ کرنے کا کوئی جواز ہے؟

دُنیا کی ساری مادی ترقی کے باوجود بعض دور دراز خطوں میں انسانی گروہ تاحال الگ تھلگ قبائلی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اُن کی گزر اوقات آبی ذرائع خوراک پر ہے یا جنگلی جانوروں کے شکار اور خودرو پودوں پر اُن کی زندگی کا سلسلہ چل رہا ہے۔ اُن کے اپنے رسم و رواج ہیں اور زبانیں بھی۔ ان قبائلی اور غیر مہذب گروہوں تک رسائی کی خواہش مغربی دُنیا کے بالخصوص دو طبقوں میں پائی جاتی ہے۔ پہلا طبقہ مسیحی مبلّغوں کا ہے جو مذہبی جذبے سے سرشار ہے اور اِن سرے سے بے دین یا مظاہر پرست قبائل کو حلقہ مسیحیت میں داخل کرنا چاہتا ہے۔ دوسرا طبقہ علم بشریات کے عالموں کا ہے جو انسانی ورثے کے تحفظ کے لیے اِن گروہوں کے رہن سہن، اقدار اور تمدنی مظاہر کو محفوظ دیکھنا چاہتا ہے۔ آخر الذکر طبقہ گاہے گاہے ان قبائلی گروہوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے مہم چلاتا رہتا ہے۔ صنعتی دُنیا کی لالچ اور مقامی حکومتوں کی مجبوریوں کے نتیجے میں قبائلیوں کے وسائلِ حیات محدود تر ہوتے جا رہے ہیں۔ آبی ذخائر پہلے کی طرح صاف ستھرے نہیں، مچھلیاں کم ہو رہی ہیں اور اِن ذخائر سے مہذب دُنیا نے استفادہ شروع کر دیا ہے، اِسی طرح جنگلات بے تحاشا کٹ رہے ہیں۔

مہذب دُنیا سے کٹ کر زندگی گزارنے والے قبائل کی ایک خاصی تعداد دریائے امیزون کے جنگلات میں آباد ہے۔ پیرو میں ایسے ۸۱ قبائل آباد ہیں اور اِن میں سے ہر ایک کی اپنی زبان ہے۔ مختلف مسیحی ادارے گزشتہ پچاس ساٹھ سال سے اِن قبائل میں تبشیری سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ علم بشریات کے عالم اپنے حریف مسیحی منادوں کے سخت ناقد ہیں۔ اُن کی رائے میں مسیحی منادِ نوشت و خواند کے ذریعے جس تبدیلی کا آغاز کرتے ہیں، وہ بالآخر قبائلی ثقافت کی مکمل تباہی پر منتج ہوتی ہے۔ ماہر بشریات ڈیوڈ سٹول (David Stoll) نے اپنی کتاب Fishers of Men or Founders of Empire میں مسیحی منادوں کو دوش دیا ہے کہ وہ امیزون قبائلی ثقافت کو مغرب کی استعماری اقدار سے آلودہ کرتے ہیں۔ اِسی طرح جیرالڈ کولبی (Gerald Colby) اور شارلٹ ڈینیٹ (Charlotte Dennett) نے اپنی مشترکہ تالیف Thy will be Done میں اپنے پیش رو ماہرین بشریات کی نسبت زیادہ سختی سے مسیحی منادوں پر گرفت کی ہے۔ اُنہوں نے الزام عائد کیا ہے کہ مسیحی منادِ انجیل کا پیغام عام کرنے کی آڑ میں صنعت کاروں اور سرمایہ کاروں کے مفادات کے لیے کام کرتے ہیں۔

گزشتہ سال اِن قبائل کی ۲۵ زبانوں میں پہلی بار "عہد نامہ جدید" شائع ہوا ہے۔ یہ کام مختلف منادوں کی زندگی بھر کی محنت کا نتیجہ ہے۔ "شادہ نہ واہ" قبیلے کی زبان میں "عہد نامہ جدید" کا ترجمہ کرنے والے میاں بیوی، جینی اور ماری سکاٹ نے ۱۹۵۸ء میں نوبیاہتے جوڑے کی حیثیت سے اِس قبیلے میں کام شروع کیا تھا۔ چالیس سال کی مسلسل محنت اور متعدد ارضی و سماوی مشکلات برداشت کرنے کے بعد جب خاوند کی عمر ۶۹ سال ہو گئی، وہ اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ "شادہ نہ واہ" زبان میں "عہد نامہ جدید" کے پانچ سو نسخے شائع ہو گئے ہیں۔

ایک طرف یہ ترجمے مسیحی منادوں کی لگن اور محنت کا ثبوت ہیں۔ ایک عرصہ اُنہیں قبائل کو یہ باور کرانے میں لگ جاتا ہے کہ وہ اُن کے وسائل حیات پر قبضہ کرنے نہیں آئے۔ وہ اُن کا علاج معالجہ کرنا چاہتے ہیں اور اُن کی طرح زندگی گزارنے کے خواہش مند ہیں، پھر اُن کی زبان سیکھتے ہیں، اِس کے لیے رسم الخط تجویز کرتے ہیں، ذخیرہ الفاظ کے لغت تیار کرتے ہیں، اور جب یہ سب کچھ ہو جاتا ہے تو اُنہیں نوشت و خواند سکھانے کے لیے برسوں محنت کرتے ہیں اور ایک یا دو نسلیں گزرنے پر وہ اِس قابل ہوتے ہیں کہ سو ڈیڑھ سو افراد کو "عہد نامہ جدید" دیں اور اُنہیں مسیحیت کے قریب لائیں۔

"شادہ نہ واہ" زبان میں جینی اور ماری سکاٹ کے کارنامے کی مذہبی اہمیت کے باوجود یہ سوال مسیحی حلقوں میں ابھرا ہے کہ کیا محض سو ڈیڑھ سو افراد کی زبان میں ترجمے کے لیے ایک نسل محنت

کرے جب کہ یہ زبان بھی مردہ ہو رہی ہو، اور مسیحی ادارے مسلسل سرمایہ خرچ کرتے رہیں۔ جینی اور ماری سکاٹ کو آغاز کار میں پندرہ سو سے دو ہزار ڈالر ماہانہ ملتے تھے اور اب یہ رقم دوگنا ہو چکی ہے۔ خود انہوں نے عسرت سے زندگی بسر کی، اُن کے پاس کبھی اتنی رقم نہیں رہی کہ وہ اپنے بچوں کی اعلیٰ تعلیم کے لیے کچھ بچا سکتے، تاہم چالیس سال میں انسانی محنت اور مالیات کی شکل میں جو کچھ خرچ ہوا ہے، یہ کچھ کم نہیں۔

اِس غور و فکر کے باوجود قبائل میں کام کرنے والے مبشرین کا نقطہ نظر یہ ہے کہ چالیس ہزار ڈالر سالانہ لینے والے پاسٹر کے بارے میں تو ہم کبھی نہیں پوچھتے کہ وہ پُر آسائش زندگی گزارتے ہوئے کیا خدمت انجام دے رہا ہے؟ حالانکہ کئی پاسٹر جن چرچوں سے متعلق ہیں، اُن کے ارکان کی تعداد بھی سو ڈیڑھ سو سے زائد نہیں ہوتی۔ اگر پیدائشی طور پر مسیحیوں کے درمیان کام کرنے کے لیے یہ اخراجات برداشت کیے جا سکتے ہیں تو نو مسیحیوں پر رقم کا خرچ بوجھ نہ ہونا چاہیے۔ (ماخوذ- "کرسچنیٹی ٹوڈے"، ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۷ء)